

# پاکستان کی جنگ

پختہ نخواہ میں دہشت گروئی سے مقابلے کے لئے حکمت عملی پر پالیسی مصائب

ترجمہ: تنوریا قبائل - محمد اختر



# پاکستان کی جنگ

دہشت گردی سے مقابلے کے لئے حکمت عملی پر پالیسی مصائب

ترجمہ: محمد اختر۔ نوریا قبائل

مشعل

آر-بی 5، سینڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600، پاکستان

# پاکستان کی جنگ

ترجمہ: محمد اختر۔ تنویر اقبال

کالی رائٹر اردو (c) 2011 مشعل بکس

ناشر: مشعل بکس

آر-بی-ہ سینٹرل فور

عوامی کمپلکس، عثمان بلاک، نیگارون ناؤن، لاہور 54600، پاکستان

فون و فیکس 042-35866859

E-mail: mashbks@brain.net.pk

<http://www.mashalbooks.org>

## ترتیب

5	بغادت کا سیاسی پیش منظر	1
7	پاکستان میں سیاسی جماعتیں	2
9	شمالي مغربی سرحدی صوبے میں سیاست ضمیمه (صوبہ پختونخواہ کے چوبیں اصلاح میں نسلی، قبائلی اور سیاسی گروہ	3
19		4
25	کرائم ایجنسی میں حادث آرائی اور تصادم	5
27	کرم میں یوروفی طالبان گروپس کا کردار	6
36	شمالي وزیرستان میں حادث آرائی اور عسکریت پسندی با جوڑ میں عسکریت پسندی اور تصادم	7
61		8
76	خبریں عسکریت پسندی اور تصادم	9
80	خبر ایجنسی میں عسکریت پسند گروپس	10
88	مہمند میں شدت پسندی اور تصادم	11
98	جنوبی وزیرستان میں شدت پسندی اور تصادم	12
112	وزیرستان میں چھوٹے چھوٹے محسود بنگ جو گروپس	13
114	ملانڈر مخالف وزیر گروپس	14
115	وزیرستان میں بھٹانی گروپس	15
118	جنوبی وزیرستان میں فوجی آپریشنز اور امن معاملہوں کی محض تاریخ (08-04-2004ء)	16
126	وادی سوات میں شدت پسندی اور تصادم	17
144	عسکریت اور اراک زئی کا تنازعہ	18
205	طالبان کے مالی وسائل	19

MashalBooks.org

## بغاوت کا سیاسی پیش منظر

حسن عباس۔ اپریل 2010ء

فروری 2008 کے صوبائی انتخابات میں کامیابی کے بعد ترقی پسندقوتوں کے پاکستانی شمال مغربی صوبے پر کنٹرول کے باوجود، ابھی تک وہاں استحکام ایک خواب ہی ہے اور امن و امان کی صورت حال بتدریج بگزشتی ہی گئی ہے جس سے صوبے میں سیاست اور عسکریت پسندی کی نوعیت اور وسعت کے مابین Correlation کے بارے میں مختلف سوالات جنم لے رہے ہیں۔ زیر نظر ضمنوں حالیہ یہ رسوں میں صوبائی صورت حال کو متاثر کرنے والے مختلف سیاسی اور مذہبی عناصر کی سرگرمیوں کا احاطہ کرتا ہے۔

صوبہ سرحد میں دہشت گرد حملوں کی تعداد میں ایک دم بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ 2009ء میں پولیس، سکیورٹی فورسز، سیاسی افراد، مارکیٹوں اور سماجی تنقیدیات کو 49 خودکش حملوں کے ذریعے نشانہ بنایا گیا۔ صوبائی دارالحکومت پشاور، بہت سے حملوں کا نشانہ بنا۔ یہ حملے عوامی نیشنل پارٹی اور پیپلز پارٹی کی مخلوط حکومت کے لیے انتہائی سنجیدہ چیز ہے۔ فاتا سے آنے والے عسکریت پسندوں اور جنوبی پنجاب (جہاں فرقہ پرست اور کشمیر کے متعلق گروپ بھرتی کیے جاتے ہیں) کے جنگ جوؤں کی سرحد کے مختلف راستوں سے فاتا میں نقل و حرکت نے صوبہ سرحد کو عسکری طور پر بے حد خندوش بنادیا ہے۔

صوبہ سرحد کی سماجی اور سیاسی ڈائیاگرام کا بھی، دائیک مقلوں مزاج قبائلی علاقوں میں پر امن ماحول کے ساتھ انتہائی پچیدہ ساتھیں ہے فاتا (جسے پاکستان میں عموماً علاقہ غیر کہا جاتا ہے) میں عسکریت پسندی نے ساتھ ہی واقع صوبہ سرحد میں امن و امان کی صورت حال پر عموماً اور 1980ء کے عشرے کے بعد خصوصاً منفی اثرات ڈالے ہیں۔ اسی طرح صوبہ سرحد میں ہونے والے سیاسی واقعات فاتا کی سیاسی حرکیات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ دونوں علاقوں میں واضح مختلف سیاسی اور انتظامی ڈھانچوں کے باوجود، وہی سیاسی جماعتیں دونوں طرف کام کرتی ہیں۔ 9-2007ء کے درمیان عسکریت پسندی کے جارحانہ ابھار پر پاکستان کے حفاظتی اداروں کا رد عمل کوئی خاص تیز

نہیں تھا، دہشت گردی کے خلاف موثر پالیسی تبلیغ دینے میں حکومتی ناکامی میں سیاسی عدم استحکام کا بڑا اتھر تھا۔ ادھر فروری 2008ء میں منتخب ہونے والا، سیاسی جماعتوں کا اتحاد بری طرح سوات کے بھرائیں میں الجھ کر رہ گیا، جہاں عسکریت پسندوں نے سوچ (کے بڑے مرکز) اور اس کے اردوگرد کے علاقوں کو فتح کرنے کے لیے سیاسی حربوں اور تشدد کا بھرپور استعمال کیا۔ 2009ء کے موثر فوجی ایکشن نے بہر حال علاقے میں حکومتی کنٹرول قائم کر دیا لیکن مالاکنڈ ڈویژن میں حالات معمول پر آنے میں بھی کچھ وقت لگے گا۔ یاد رہے، سوات، مالاکنڈ، چترال، دیر کے اضلاع ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

صوبہ سرحد کی یہ بھرائی کیفیت راتوں رات پیدا نہیں ہوئی۔ سالوں پر محیط خراب بھرائی، علاقائی تناؤ اور معافی بدهائی نے حالات کو خراب سے خراب تر کر دیا۔ مزید براں ہمسایہ ملک افغانستان میں طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد عسکریت پسندوں کی بڑھتی ہوئی طاقت نے بھی معاملات کے بگاڑ میں اپنا حصہ ڈالا۔ افغانستان میں غیر ملکی افواج کی طویل موجودگی اور علاقے میں بغاوت کو کھینچنے کے لیے عسکری قوت پر زیادہ سے زیادہ انحصار نے بھی صوبہ سرحد کے باسیوں پر منفی اثرات ڈالے۔

#### سیاسی ڈھانچہ:

پاکستان ایک وفاق ہے اور اس کی دو اپواني متفقہ ہے، قومی اسلامی میں اکثریتی پارٹی یا مخلوط اتحاد وزیر اعظم کا انتخاب کرتا ہے جبکہ صدر کے انتخاب میں چاروں صوبائی اسلامیاں اور پارلیمنٹ شاہیں ہیں۔ شمال مغربی سرحد صوبہ پاکستان کے چار صوبوں میں سے ایک ہے۔ لیکن بعض علاقوں جن میں فاتا (وفاق کے زیر انتظام علاقہ) اور پاکستان کے زیر انتظام کشمیر شامل ہیں، خصوصی قوانین (انھیں پہلے شاہی علاقہ جات کہا جاتا تھا) اور پاکستان کے زیر انتظام کشمیر شامل ہیں، خصوصی قوانین کے تحت ان کا انتظام چلایا جاتا ہے۔ ایک شاندار یا سیاسی ڈھانچے اور جہوری سیاست اپ کے باوجود پاکستانی فوج کا اس پر غیر معمولی اثر و سونخ بھی ہے۔ 32 سال پر محیط مارشل لاکے چار ادوار نے قومی سلامتی اور خارجہ پالیسی کے معاملات میں فوج کا عمل دخل بڑھادیا ہے۔ مزید براں، پاکستانی آئین (فوجی حکومتوں کے دوران کئی گئی تراجم کے مطابق) نے عمومی قانونی پر اس کو معطل کر کے مختلف اختیارات صدر کو دے رکھے تھے اور یہی نہیں بلکہ وہ تو بغیر کسی وجہ کے حکومتوں کو بھی ڈس مس کر سکتا تھا۔ حال ہی میں ان آئینی دفعات کو اٹھارویں ترمیم کے ایک اصلاحاتی پکیج کے ذریعے ختم کر دیا گیا ہے اور اس طرح وزیر اعظم کی سفارش کے بغیر پارلیمنٹ کو تحلیل کرنے، یک طرفہ

ایم جسی کے نفاذ، جوں کی تعیناتی اور خاص طور سے افواج پاکستان کے سربراہوں کی تعیناتی کے اختیارات صدر کے پاس نہیں رہے۔

## پاکستان میں سیاسی جماعتیں

### پاکستان مسلم لیگ نواز:

پی ایم ایل (ن) دراصل جزل ضیاء الحق کے فوجی دور (1977ء-1988ء) کی پیداوار ہے۔ حقیقی مسلم لیگ جس نے قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں تو متحرک آزادی میں اہم کردار ادا کیا تھا، 1950ء کے عشرے میں ہی ٹکست و ریخت کا شکار ہو گئی تھی۔ اس کے بعد تقریباً ہر فوجی آمر نے اس جماعت میں روح پھونکنے کی کوشش کی تاکہ سیاسی تیمور اور فوجی حکمرانی کے حمایتیوں کو ایک جھنڈے تلنے اکٹھا کیا جائے اور اس طرح اپنے لیے سیاسی اور قانونی جواز مہیا کر سکے۔ ضیاء کی مسلم لیگ 1985ء میں پیدا ہوئی اور 1988ء میں وصول میں تقسیم ہو گئی۔ ان دو گروہوں میں سے ایک 1993ء میں نواز شریف کی قیادت میں پی ایم ایل (ن) کے نام سے ابھری۔

1990ء کے عشرے کی ابتداء اور 1997-1999ء کے دوران مسلم لیگ نواز نے عوامی نیشنل پارٹی کی حمایت اور شراکت سے مخلوط حکومتیں تشکیل دیں، اکتوبر 1999ء میں جزل مشرف کے مارچ لانے نواز شریف حکومت کو برطرف کر دیا۔ 2001ء میں مسلم لیگ نواز ایک بار پھر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی جب چودھری شجاعت نے علیحدہ ہو کر مسلم لیگ (ق) بنانے اور مشرف کی حمایت کا فیصلہ کیا۔

### متحده مجلس عمل:

ایم ایم اے کی تشکیل 2001ء میں ہوئی اور اس میں درج ذیل پانچ مذہبی سیاسی جماعتیں شامل تھیں: دیوبندی نقطہ نظر کی حامل جمیعت علمائے اسلام (JUI) بریلوی عقیدے کی حامل جمیعت علمائے پاکستان، رواۃتی اسلام پسند جماعت اسلامی (اس کی بنیاد ابوالاعلیٰ مودودی نے رکھی تھی) شیعہ فرقے کی تحریک جعفریہ اور وہابیوں سے متاثر جمیعت اہل حدیث۔

جماعت علمائے اسلام کی بنیاد 1945ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے رکھی تھی۔ مفتی محمود نے 1970ء میں اس کا احیاء کیا۔ 1980ء کے ابتدائی سالوں میں ان کے صاحزادے مولانا فضل الرحمن نے اس کی قیادت سنبھالی۔ 1980ء کے عشرے کے درمیان جمیعت (سیاسی اختلافات

کے باعث) و حصول میں تقسیم ہو گئی۔ فضل الرحمن کی قیادت میں جے یو آئی (ایف) اور مولا نا سمیح الحق کی قیادت میں جے یو آئی (ایس)۔

1980ء کے عشرے میں افغان جہاد کے دوران جے یو آئی نے بڑا ہم کردار ادا کیا۔

جمعیت علمائے اسلام کے دونوں گروپس سے متعلقہ سکولوں اور مدارس کے پڑھے ہوئے لوگوں نے طالبات میں شمولیت اختیار کر لی۔ احمد رشید کے مطابق کابل حکومت میں تم ازکم آٹھ طالبان وزراء سمیح الحق کے دارالعلوم حقانی کے گریجوئیٹ تھے۔ 2002ء میں جمعیت کے دونوں گروپس ایم ایم اے میں شامل ہو گئے۔ جمعیت علمائے اسلام کے منشور کے مطابق وہ پاکستان میں ایک اسلامی ریاست کے قیام کی باندہ ہے۔

**عوامی نیشنل پارٹی:**

یہ جماعت قوم پرست اور سیکولرنظریات کی حامل ہے۔ اور اس کا تعلق معروف سرخ پوش رہنماء عبدالغفار خاں سے ہے جنہیں مہاتما گاندھی سے قربی ذائقی اور سیاسی روایات کی بنیاد پر سرحدی لگاندھی بھی کہا جاتا ہے۔ 1957ء کے دوران عبدالغفار خاں کے بیٹے ولی خان اس کے سربراہ رہے۔ 1975ء میں بھٹو حکومت نے متنازعہ (SEDITION) الزامات کے تحت اسے غیر قانونی قرار دے دیا تاہم 1986ء میں نام کی معمولی سی تبدیلی کے ساتھ جماعت کام کرتی رہی۔ اس وقت ولی خان کے بیٹے اسٹنڈیار ولی پارٹی کے رہنماء ہیں۔ نیب کو سابقاً مشرقی پاکستان (موجوہہ بگلہ دیش) میں بھی سیاسی حمایت حاصل تھی۔ 1960ء کے عشروں میں اسے سوویت یونین کی حامی سمجھا جاتا تھا۔ نیپ سالاہ سال تک باسیں بازو کے نظریات کی حامل رہی۔ اسے اسے این پی کی نسبت دوسرا صوبوں میں وسیع تر سیاسی حمایت حاصل تھی۔ 1980-90ء کے دوران اسے این پی (صوبائی اور وفاقی سطح پر) مختلف حکومتوں کا حصہ رہی تاہم 2008ء تک وہ صوبہ سرحد میں اپنا وزیر اعلیٰ نہیں لاسکی تھی۔ پہلی دفعہ، 2008ء کے الیکشن میں اس نے سنندھ اسمبلی میں کراچی کے حلقوں سے (جہاں خاصی پختون آبادی ہے) بھی کئی نشیں حاصل کیں۔

**پاکستان پیپلز پارٹی:**

یہ پارٹی بھی ایک ترقی پسند جماعت ہے اور اسے ملک کے گوشے گوشے میں سیاسی حمایت حاصل ہے۔ 1967ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے دانش وردوں اور سو شلست ذہن رکھنے والے سرگرم لوگوں کے ایک گروپ کے ہمراہ یہ جماعت بنائی تھی۔ مختلف اوقات میں اس کی حکومت رہی۔ 1971ء میں بھٹو پاکستان کے صدر بن گئے۔ بعد ازاں نئے آئین کے نفاذ کے

بعد وہ 1973ء کے دوران ملک کے وزیر اعظم رہے۔ جولائی 1977ء میں جزل ضیانے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور ایک تنازعہ عدالتی فیصلے کے تحت انھیں پھانسی دے دی۔ پارٹی بدوور مقبول جماعت رہی اور بھٹو کی بیٹی، بنے نظیر بھٹو 1988-1990ء اور 1993-1996ء کے دوران ملک کی وزیر اعظم رہیں۔ اسی دوران پی پی صوبہ سرحد کی مخلوط حکومتوں میں بھی اہم پالٹری رہی۔ مارچ 2008ء میں پپلز پارٹی نے (اے این پی کی مدد سے) نہ صرف مرکز میں حکومت بنائی بلکہ سرحد میں بھی اے این پی کی مخلوط حکومت میں شریک ہو گئی۔

## شمال مغربی سرحدی صوبے میں سیاست

### شمال مغربی سرحدی صوبے کی تاریخ:

اس صوبے کا جغرافیائی محل و قوع اس کی سیاست اور ثقافت پر گہرے اثرات ڈالتا رہا ہے مگر اسے عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ایک جانب درہ خیبر ہے جو پاکستان کو افغانستان سے ملاتا ہے اور دوسری جانب شمالی علاقے جات ہیں جو قراقم کی خوبصورت شاہراہ کے ذریعے پاکستان کو چین سے جوڑتے ہیں۔ اگرچہ اسے پختونوں کی سر زمین کہا جاتا ہے مگر ثقافتی اور نسلی طور پر یہ صوبہ انتہائی متنوع ورثے اور روایات کا حامل ہے اور ایک زمانے میں عظیم ہندو اور بدھ سلطنتوں کا مرکز رہا ہے۔ آج کے لوگ ان تاریخی حقائق سے خاص و اتفاق نہیں۔ شاید اس کی وجہ جزوی طور پر اسی کے عشرے میں ہونے والے افغان جہاد بھی ہو جس نے علاقے کے سماجی اور سیاسی حقائق کو انقلابی طور پر بدل کر رکھ دیا۔

شمال مغربی سرحدی صوبہ خاصاً متنوع علاقہ ہے۔ چترال اور ہنڈ کو بولنے والے (ہزارہ ڈویژن) صوبے کی آبادی کا 30% ہیں سیاست پر البتہ پختونوں کا راج ہے۔ اردو میں اسے سرحد کہا جاتا ہے۔ اپنی نسلی اور قبائلی شناخت پر نازاں پختونوں کا ایک بڑا حصہ اس نام سے مطمئن نہیں۔ انہی قوم پرست اور نسلی جذبات کا علی، اے این پی کی، صوبے کا نام بدلنے کی کوششوں میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ سرحد کا نام پختون خواہ رکھنا چاہتے تھے۔ خیر کا لاحقہ لگانے پر، اس نام پر عمومی اتفاق کر لیا گیا تاہم پشتونہ بولنے والے علاقے میں (جسے مسلم لیگ کا انتخابی گڑھ سمجھا جاتا ہے) اس نام کے خلاف شدید مراجحت تھی۔ اسی بحث و تجویض کی وجہ سے اٹھارویں آئینی ترمیم کو حتمی تحکم دینے میں بھی مزید وقت لگا۔ پپلز پارٹی ابتداء ہی سے اس مسئلے پر اے این پی کی حمایت کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ مذہبی عصیت کے بجائے، علاقے میں سیکولر شناخت کو تقویت دینا چاہتی تھی۔ نام کی تبدیلی نے ہزارہ ڈویژن کے غیر پختون علاقوں میں خاصاً اشتغال پیدا کر دیا ہے اور اس کے

اصلاح ہری پور، مانسہرہ، بٹ گرام، کوہستان اور ایبٹ آباد میں مقشود مظاہرے اے اب بھی جاری ہیں۔ صوبہ سرحد میں قبائلی تعلقات سیاسی گروہ بند پول یا جماعتی تشكیل پر فٹا کی نسبت کم اثر انداز ہوتے ہیں۔ فٹا میں قبائلی اپنے علاقے میں مرکوز ہونے کی وجہ سے، جغرافیائی کشوروں کے حامل ہیں جبکہ صوبہ سرحد میں اس کے برعکس قبائل مختلف اصلاح اور شہری اور دیہاتی علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لیے صوبے کے سیاسی مistrans نے کی تشكیل میں طبقائی شناخت نسبتاً زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اسی طرح نہ ہی اور فرقہ وارانہ عصیت بھی ایک اہم غرض ہے۔ فٹا کی نسبت صوبہ سرحد قومی دھارے میں شامل ہے اور یہاں ترقی پسند سیاسی قوتوں کا زور ہے۔ دراصل، یہاں سوویت یونین کی حامی، بائیں بازو کی جماعتوں کو تاریخی طور پر بروست حمایت حاصل رہی ہے۔ بہتر گورننس کے ذریعے، صوبہ سرحد مضمونیت کو حنم دے کر مل معاشری خود کفالت حاصل کر سکتا تھا۔ اس علاقے میں خاصے قدرتی وسائل موجود ہیں۔ سیاحت کے نقطہ نظر سے دلکش مقامات ہیں اور زرخیز ریزی زمین بھی کم نہیں لیکن علمی شرح خاصی کم ہے، صحت کی بنیادی سہولتیں انتہائی ناکافی ہیں اور قانون کے نفاذ کی صلاحیت، بہت کمزور ہے۔ غیر قانونی تجارت، اسمگنگ اور ناکافی انفارسٹرکچر میں کمزور ہے۔ گزشتہ سال صوبائی محکمہ خزانہ نے معاشر صورت حال کی تصویر کشی کچھ اس طرح کی تھی:

”صوبہ سرحد میں نیکس میں (Base) بہت محدود ہے اور اسے اپنی آمدی کے 92% حصے کے لیے وفاقی حکومت پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ تمام لازمی سماجی اور معاشری اشارے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں انتہائی کم ہیں۔ صوبے کو دوہشت گردی کے خلاف جنگ کا بھی سامنا ہے جس کی بدولت بے پناہ انسانی جانیں، کاروبار اور پر اپری مسلسل نقصان اور تباہی کا شکار ہو رہی ہے۔“

2001ء سے صوبے کے عدم استحکام اور منفی تبدیلیوں میں تین عوامل کا اہم کردار رہا ہے۔ پہلا: 7-2002ء کے دوران ایم ایم اے کی حکومت کی سیاست اور اس کی کارکردگی۔ دوسرا: صوبہ سرحد کے مدرسیں میں اصلاحات کا نہ کیا جانا اور تیسرا: پڑوائی علاقے فٹا میں بغاوت (اس بغاوت کی بنیادی وجوہات میں عشرتوں تک معاملات سے ریاستی عدم توہین اور سرحد پار (افغانستان میں) مسلسل جنگی صورت حال ہیں۔

ایم ایم اے کی حکومت 2002ء میں انتخابات جیت کر تشكیل پائی تھی لیکن 2008ء کے عام انتخابات میں اس کا صفائیا ہو گیا کیونکہ اس حکومت نے اپنے ہی حامیوں کو بھی بری طرح مالیہ کیا تھا۔ کرپشن، اقرباء پوری اور نااہلیت اس دور کا خاصار ہیں حالانکہ ایم ایم اے کی حکومت اپنی

بدعنوایوں کے خاتمے کے وعدے پر اقدار میں آئی تھی۔ وہ انصاف کی فراہی اور نوکر شاہی کو عوام کے سامنے جواب دہ بنانے کے وعدے پورے کرنے میں بڑی طرح ناکام رہی۔ ایم ایم اے کی پالیسیوں کی بدولت شہری آزادیاں محدود ہوئی۔ ترقی پسندانہ قانونی اصلاحات رک کر رہ گئیں اور مذہبی رواداری بڑی طرح متاثر ہوئی۔ خواتین کے حقوق کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ یہی حال مدرسون کی اصلاحات کا ہوا۔

سانسی تعلیم کی شمولیت اور غیر ملکی طلبہ کی رجسٹریشن ان اصلاحات کا اہم حصہ تھے۔ اس کے برعکس ایم ایم اے نے عام تعلیمی نظام کو بھی اسلامائز کرنا شروع کر دیا اور پبلک ٹرانسپورٹ اور گانے بجانے پر پابندی عائد کر دی۔ سرحد اسلامی نے قانون پاس کیا کہ خواتین کا علاج صرف خواتین ڈاکٹرز ہی کر سکتی ہیں۔ یہ اندازہ ہی الحال ہے کہ علاج معاہدے کے لیے خواتین ڈاکٹرز کی موزوں تعداد نہ ہونے کی بنا پر، ملیض عورتوں کو، خصوصاً دینی علاقوں میں کن مشکلات اور خطرات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔

حوالی 2005ء میں اہم ترین پیش رفت یہ ہوئی کہ اسلامی نے (اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے) حبہ بل پاس کر دیا جو ایم ایم کے رہنماؤں کے اپنے فہم و ادراک اور تصورات کا عکاس تھا۔ اپوزیشن جماعتوں کی زبردست مخالفت اور وفاقی حکومت کے اعتراض کے باوجود ایم ایم اے کی حکومت تنازع شریعت بل کے معاملے کو آگے بڑھاتی گئی۔ انتہائی قبل اعتراض قانونی دفعہ وہ تھی جس کے ذریعے (سرحد میں ایسے ادارے بنائے گئے جن میں) ایم ایم اے کے مذہبی اتحاد مسئلک مولویوں کو قاضی کے برابر عہدے کی ملازمتیں دی جاسکتی تھیں۔ مختصہ کاغی عہدہ تخلیق کیا گیا جس کے ذریعے پبلک کرپشن کی روک تھام کی جاتی اور لوگوں کے انفرادی اور اخلاقی کردار پر نظر رکھی جاتی۔ پشاور میں ایسے بڑے بڑے بل بورڈز کو، جن پر خواتین ماؤنٹر کی تصاویر تھیں، سیاہ کر کے، صوبے میں خوف و ہراس کی فضا پیدا کر دی گئی۔

پسپریم کورٹ نے قانون کی بہت سی شوونوں کو غیر آئینی قرار دے دیا تو ایم ایم اے حکومت نے ان قانونی شوون کو نیا نام دے کر اور قواعد و ضوابط میں تبدیلی لائے، نہ صرف چیک اینڈ میلننس کے نظام کو نظر انداز کیا بلکہ پسپریم کورٹ کے احکامات کی بھی صریحاً خلاف ورزی کی۔

جزل پرویز مشرف نے ایم ایم اے کی بہت سی دست درازیوں سے صرف نظر کیا کیونکہ انھیں صدر اور آرمی چیف کے عہدوں پر فائز رہنے کے لیے قومی اسلامی میں ان کے وظوں کی حمایت درکار تھی۔ مشرف کے ساتھ، پس منظر میں موجود، اس اتحاد کی بدولت ہی ایم ایم اے کو ”ملا ملشی الائنس“، کام شہور نام ملا۔ پاکستان انسانی حقوق کمیشن کے سابقہ سربراہ اور سرحد حکومت کے

موجودہ سفیر برائے امن افراسیاب خٹک کے مطابق ”2002ء کے ایکشن میں ایم ایم اے کی زبردست فتحِ محض ایک اتفاق نہیں تھا بلکہ یہ فوج کی سیاسی منصوبہ بندی کا باقاعدہ حصہ تھا۔ مذہبی انہا پسندوں کے خطرے کی عدم موجودگی، مغربی طاقتلوں کی نظر میں فوج کی افادیت ختم کر سکتی تھی۔“ اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے برا آئن کلاؤئی (Brian Cloughley) رقم طرز ہے: ”بدعتی سے مشرف نے اس موقع پر بارہن کے تجربے سے فائدہ اٹھایا جس نے پروں کو بے پناہ قوت دے کر فولاد کو متحرک کر دیا تھا۔ 2002ء میں انہوں نے بکھرے ہوئے مذہبی گروہوں کی انتخابی ہم کی بھرپور حمایت کی اور اس طرح دو بڑی قومی سیاسی پارٹیوں کو ایک کنارے پر لگادیا۔ اسی طرح انہیں شمل کرائس گروپ کی ایک فکر انگیز رپورٹ کچھ یوں بتاتی ہے۔ ”افتدار پر مکمل گرفت کرنے کے لیے، مشرف کی حمایت کے صلے میں، ایم ایم اے کو اسلامائزیشن کا ایجنڈا آگے بڑھانے کی کھلی چھٹی مل گئی۔“

اے این پی اور پیپلز پارٹی کی 2008ء میں انتخابی فتح دراصل ایم ایم اے کی مقاصد پالیسیوں کے خلاف شدید عوامی رعیل کا نتیجہ تھی۔ لیکن ایم ایم اے کی پانچ سال سے زاید حکمرانی نے انہیں اپنی کئی پالیسیوں کو ادارتی شکل دینے میں مدد کی۔ مثلاً انہا پسند نظریات کے حال بہت سے افسروں کو اہم جگہوں پر لگادیا گیا اور اس طرح حکومتی شعبوں میں ان کے سبق رابطے پیدا ہو گئے۔ مدرسوں پر بھی اس کا اثر اہم تھا۔ یہ مذہبی سکول اسی کے عشرے میں جزل ضایا کی فوجی حکومت کی سرپرستی میں قائم کیے گئے تھا تاکہ وہ افغانستان میں جنگ کے لیے افغان مہاجرین کی بھرتی، ہنی تیاری اور جنگی تربیت کا کام سرانجام دے سکیں۔ ایک بین الاقوامی کرائس گروپ کی رپورٹ کے مطابق، جمعیت علماء اسلام کی زیر نگرانی چلائے جانے والے یہ مدرسے، پاکستان کی قبائلی پٹی میں مذہبی اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے جہادی کلچر کی حوصلہ افزائی میں انتہائی اہم کردار کے حامل تھے۔ 1990ء کے عشرے میں بھی یہی رجحان جاری رہا۔ گزشتہ عشرے میں ان مدرسوں میں انہا پسندی کے خاتمے کے لیے کچھ نہیں دلاتا کاروا یاں بھی کی گئیں مگر ایم ایم اے کی حکومت نے (7-2002ء) انھیں بھی ایک حد تک ہی محدود رکھا۔ پاکستان کے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ایک قابل اعتماد رپورٹ کے مطابق، مالکانڈ ڈویژن میں خودکش بمباروں کے تربیتی کیمپوں کو 2009ء میں سوات کے علاقے میں فوجی آپریشن کے دوران ختم کیا جاسکا۔ ظاہر ہے یہ ایم ایم اے کی حکومت کے دوران ہی قائم ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ علاقے میں انہی دنوں میں تشدد پسندی زیادہ متحرک ہو رہی تھی۔ بعض مدرسے آج بھی مذہبی نظرت اور انہا پسندی کا محول پیدا کرنے میں مشغول ہیں۔

### سرحد میں موجود رجحانات:

شدت پسندی کی نشوونما: مشرف کے دور صدارت میں خصوصاً (7-2004ء کے دوران) دہشت گردی کے خلاف کارروائی میں ایم ایم اے (کی چشم پوشی نے) طالبان کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ علاقے میں اپنے نیٹ و رکس قائم کر لیں۔ سیاسی اور سماجی حلے انہی پسندی کے خلاف سخت اقدامات کرنے پر زور دیتے رہے مگر ایم ایم اے حکومت نے ان پر کان نہیں دھرے۔ طالبان نے اپنے پیر جماعتی ہی فاتا میں فوجی اور حکومتی انفارسٹرکچر پر حملہ شروع کر دیئے۔ لیکن ابتدأ سرحد میں انہوں نے حکومت سے کوئی چیز چھاڑنیں کی اور وہاں، وہ بعض نظریاتی موضوعات، مثلاً: بُلکیوں کے سکولوں، قدمیم بدھ گپوڈوں، خواتین کے حقوق کی سرگرم ارائیں، ویڈیو اور میوزک کی دوکانوں اور جاموں کی دوکانوں (جہاں اسلام پسندوں کی خواہش کے خلاف دائرہ ہیاں موئندی جاتی ہیں) پر اپنی توجہ مرکوز کیے رہے۔ 2005ء کی ابتداء میں شدت پسندوں نے صوبہ سرحد میں خواتین کو وارنگ دینا شروع کر دیا بغیر بر قع کے گھر سے باہر نہ نکلیں، یہ تحریک صوبہ سرحد کے جنوبی علاقوں، ٹانک، ذیرہ اساعیل خان، لکی مرودت اور بنوں سے شروع ہوئی اور جنوبی اور شمالی وزیرستان تک پھیل گئی جو فاتا میں طالبان کی سرگرمیوں کا اہم ترین مرکز تھے۔ کچھ وقت کے بعد یہی سرگرمی شمال میں بھی کوہاٹ، چارسدہ، مردان، دیر، سوات اور سرحد کے دارالحکومت پشاور اور نزدیکی علاقوں کرم، اور کرزی، خیبر اور مہمندابخنی تک پھیل گئی۔

ظاہر ہے سرحد میں ہونے والی عسکریت پسند سرگرمیوں کے ڈائٹے برادرست فاتا میں پیدا شدہ صورت حال سے جاملے تھے۔ مثلاً وزیرستان اور خیبر ایجنسیوں میں 6-2004ء کے دوران ہونے والے ”ہمن معاهدہ“ کے بعد، سرحد میں انہی پسندوں کی سرگرمیوں میں زیادہ شدت پیدا ہو گئی۔ فاتا سے شدت پسندوں کی سرحد میں دراندازی کو مائنٹر کرنے کے لیے ایم ایم اے کی حکومت نے کوئی حفاظتی قدم نہیں اٹھائے۔ شدت پسندوں اور پاکستان کی مذہبی سیاسی جماعتوں میں کافی نظریاتی قدر مشترک کے ساتھ ساتھ ان کی معاشرتی حمایت کا حلقة بھی لگ بھگ ایک ہی ہے۔ ایم ایم اے کی کئی اتحادی جماعتیں، خصوصاً جمیعت علماء اسلام کے دونوں (سمیع اور قضل الرحمن گروپ) حصوں کے مدرسون میں سے فاتا میں شدت پسندوں کے تربیتی کیمپوں کے لیے، افرادی قوت مہیا ہوتی ہے۔ 2009ء میں صورت حال کا تجھیہ کرتے ہوئے ایک صحافی طلعت فاروق نے یہ دلیل دی:

”نائیں المیون کے بعد طالبان اور القائدہ کے عناصر، جنہیں اپنے پاکستانی ہمدردوں کی مکمل

حمایت حاصل تھی، سرحد پار کر کے فاتا میں آگئے۔ نتیجہ، جزل شرف کی اس درخی پالیسی کی وجہ سے پاکستانی طالبان کو مضبوط ہونے کا موقع ملا۔ اس پالیسی کو نہ مدد ہی جماعتوں نے اور نہ ہی قدرامت پسندوں نے کبھی تقید کا نشانہ بنایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی جرائم پیشہ گروہوں، ڈرگ مافیا، ہتھیار فروخت کرنے والوں اور غیر ملکی سرپرستوں کی بھرپور مدد سے، یوگ طاقت پکڑتے چلے گئے۔“

فاتا اور صوبہ سرحد کے درمیان چھ قبائلی علاقوں میں موجود نوکر شاہی کے نمائندے بھی بڑھتی ہوئی شدت پسندی کے بارے میں وفاقی حکومت کو ارت کرنے میں ناکام رہے۔ ایک طرف نوکر شاہی کی ناابلیت تھی اور دوسری جانب ان کی شدت پسندوں سے ہمدردیاں، دونوں ہی باقی میں بروقت روپہ عمل تھیں۔

سرحد میں آج پشاور اور اردوگرد کے علاقوں کو انہائی عگین مسائل کا سامنا ہے جہاں طالبان اور ان کے حامی شدت پسند جب چاہتے ہیں، سرکاری عمارتوں، قانون نافذ کرنے والے حکام اور اسے این پی اور پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کو نشانہ بنا دالتے ہیں۔ پشاور اور اس کے گرد دنواح میں 2010ء کے ابتدائی مہینوں میں سکولوں پر ان کے حملے ایک اور پریشان کن رہ جان کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اکتوبر 2009ء میں جنوبی وزیرستان میں فوجی آپریشن کے نتیجے میں 221 افراد مارے گئے اور تقریباً 1500 افراد زخمی ہوئے۔ کسی حد تک یہ صورت حال خیر ایجنسی کے دو گروہوں لشکر اسلام اور انصار الاسلام کے مابین نکلا اؤکے مر ہوں مدت بھی تھی لیکن تحریک طالبات پاکستان بھی وہاں اتنی ہی سرگرم ہے اور اس نے سرحد میں ہونے والے بہت سے دہشت گرد جملوں کی ذمہ داری قبول بھی کی ہے۔ انہوں نے واضح طور پر یہ کہا کہ پشاور کے پول کا نئی بنیل ہوٹل پر حملہ دراصل فاتا کی اور ک رک زمی ایجنسی کے ایک دوسرے پر حملے کا جواب تھا۔ طالبان کے دعوؤں سے قطع نظر، اس کی تمام سرگرمیاں، ایک خاص علاقے میں اس کے لا جنک نیٹ ورک (مضبوط) پر منحصر ہوتی ہیں۔ بہت سے شواہد سے بتہ چلتا ہے کہ پشاور میں ہونے والے اکثر دہشت گرد جملوں کا مرکز قریبی خیر ایجنسی کا ایریا ہی رہا ہے۔ تحریک طالبان پاکستان کے ان جملوں کے پیچھے ایک اہم وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پشاور کے مضافات میں مقامی جرگوں کے ذریلے، مقامی لشکر ترتیب دیئے گئے ہیں جنہیں طالبان کے جملوں کو روکنے کے سلسلے میں پلیس اور صوبائی انتظامیہ کی مکمل حمایت حاصل ہے۔

**سوات اور فوج:**